پروفیسر ایم۔ ایم شریف (ستارۂ امتیاز)

ڈاکٹر رادھا کرشنن، فلسفی یا سیاستداں؟

افلاطون کا یہ کہنا تھا کہ ریاستوں کے حکمران فلاسفر ہونے چاہئیں۔ اس سے اسے یہ توقع تھی کہ فلسفی حاکم ریاست کو حقیقت کے خطوط پر ڈھالے گا اور اس کے زیر حکومت ریاست صحیح معنوں میں حقیقت کی آئینہ دار ہوگی اور اس کا کاروبار اعلیٰ ترین نصب العین کے ماتحت چلے گا۔ اتفاق سے ہندوستان کے سب سے بڑے فلسفی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ریاست کے صدر کا عہدہ سنبھالا ہوا ہے۔ مگر بدقسمتی سے ریاست کے فلسفی کی صدارت میں اعلیٰ اقدار پر ڈھلنے کی بجائے فلسفی خود ریاست کی رذیل اور ادنیٰ اقوال و افعال کے رنگ میں رنگا گیا ہے۔ اگر افلاطون آج زندہ ہوتا تو خون کے آنسو روتا، اور اب بھی دوسری دنیا میں اس کی روح کو شدید ترین اذیت پہنچی ہوگی۔

زندہ لوگوں میں ایک طرف تو برٹرنڈرسل ہیں جو اپنے صلح کن خیالات کی وجہ سے پہلی عالمگیر جنگ کے دوران جیل میں ڈال دیے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی کی ملازمت سے بھی نکال دیے گئے، لیکن انھوں نے اُس وقت سے اِس وقت تک اپنے نصب العین کو ایک لمحے کے لیے بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور صلح و شانتی اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کے متعلق ان کے اقوال و افعال میں نصف صدی گزر جانے پر بھی سرمو فرق نہیں آیا۔ خود ہندوستان ہی کے مہاتما گاندھی کو لیجیے جن کا نام ہند کے حالیہ فلسفہ کی کتاب میں جس کے خود رادھا کرشنن ایڈیٹر تھے پہلے نمبر پر ہے اور جن کے چیلوں اور نام لیواؤں میں خود کو شمار کرتے ہیں، انھوں نے جب دیکھا کہ بین الاقوامی وعدے کے بموجب جو پچپن کروڑ روپے کی رقم ہندوستان

پر پاکستان کی واجب الادا تھی اسے پنڈت نہرو لیت ولعل میں ڈال رہے ہیں تو انھوں نے مرن برت رکھ لیا اور اس وقت تک نہ توڑا جب تک یہ رقم ادا نہ کی گئی۔ انھوں نے اپنی جان تک دے دی لیکن تقسیم ہند و پاک کے وقت مسلمانوں کے کشت وخون کے متعلق حق بات کہنے سے لمحہ بھر بھی گریز نہ کیا۔ اس کے برعکس ڈاکٹر رادھا کرشنن ایک فلسفی کی حیثیت سے عمر بھر سچائی اور انسانیت کی تعلیم دنیا بھر کو دیتے رہے لیکن جب امتحان کا وقت آیا تو پندرہ دن کے اندر ان کی کایا پلٹ ہو گئی۔ اور وہ سچائی، شانتی اور انسانیت کے ساتھ ساتھ جھوٹ، تشدد، وعدہ شکنی اور انسان کشی کے قولاً و فعلاً علمبردار بن گئے۔

ہندوستان کے یوم آزادی کی اٹھارھویں سالگرہ کے موقع پر ۱۵ اگست کو ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اپنی نشری تقریر میں فرمایا:

"ہمارا دستور جو ہم نے ۱۹۵۰ء میں اختیار کیا تھا اس مقصد کا آئینہ دار ہے کہ ایک زیادہ مہذب دنیا اور ایک بہتر معاشرتی نظام تعمیر کیا جائے اور انسان ایک ایسی زندگی بسر کرے جو عدم تحفظ کے خوف سے آزاد ہو اور اس کی روح کو کچلا نہ جائے۔

"ہم انسان کے حقوق کے قائل ہیں خواہ اس کا رنگ، مذہب، ذات اور فرقہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم معاشرتی امتیاز اور معاشی تفاوت کو ختم کر دیں جو غربت، جہالت اور بیماری کی پیداوار ہیں۔

"اگر ہم اقوام متحدہ کے اصولوں اور ارادوں سے وفاداری کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن خود اپنے معاملات طے کرنے میں اپنا نقطۂ نظر منوانے کے لیے فوجی طاقت سے کام لیتے ہیں تو ہم کو ریاکار قرار دے کر ہماری مذمت کی جائے گی۔ اگر ہم اقتدار سیاست کے نہیں بلکہ پُرامن بقائے باہمی کے قائل ہیں تو ہمیں اپنے دشمن کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے، اور فرض نہیں کر لینا چاہیے کہ ہم ہمیشہ حق پر ہوتے ہیں اور دشمن ہمیشہ غلطی پر ہوتا ہے۔

"ہمیں ایک ایسی دنیا تعمیر کرنی چاہیے جہاں قانون کی پابندی اور آزادی رائے ہو اور جو

تشدد اور جبر سے پاک ہو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم نہ صرف فیاضی دکھائیں بلکہ بین الاقوامی تنازعات کو پُرامن اور مہذب طریقوں سے طے کرنے میں بھی پیش قدمی کریں۔

"ویٹ نام میں جو موت اور تباہی پھیلی ہوئی ہے ہم اس سے لرزہ براندام ہیں۔ اب دو ہی راستے کھلے ہوئے ہیں یا تو جنگ کے دائرہ کو اس کی تمام تر تباہ کاریوں کے ساتھ وسیع تر کر دینا یا گفت و شنید سے کوئی تصفیہ کرنا خواہ اس کے لیے کچھ قربانیاں بھی دینا پڑیں۔ ویٹ نام میں امن بحال کرنے کے لیے جو کوششیں کی جا رہی ہیں ہمیں ان کی تائید کرنی چاہیے۔"

یہ وہ قابل قدر خیالات اور جذبات ہیں جو ڈاکٹر رادھا کرشنن نے بحیثیت ایک فلسفی کے ویٹ نام کی لڑائی کے سلسلے میں ظاہر کیے اور دنیا بھر نے انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

ابھی اس بیان کو پورے دس روز بھی نہ گزرے تھے کہ انھی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کشمیر کے بگڑے ہوئے حالات کے مدنظر ۲۶ اگست کی اپنی نشری تقریر میں یہ کہا کہ ہندوستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت ہر طرح کے حملے کے لیے تیار رہے۔ دفاع کے لیے فوجی اقدام بہترین منصوبہ ہے۔ یہ اس وقت کہا گیا جب ہندوستانی افواج نے پاکستان پر یک لخت حملہ کر کے کشمیر کے شمال میں تین پاکستانی چوکیوں پر قبضہ کر لیا تھا اور دیگر مقامات پر حملے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ خدا کی شان ہے کہ صلح و آشتی کے پیامبر نے یہ نہیں کہا کہ آپس کے جھگڑے کا پُرامن اور مہذب طریقے سے گفت و شنید کے ذریعے سے تصفیہ کرنا چاہیے خواہ اس میں قربانیاں ہی کیوں نہ دینی پڑیں بلکہ ایسے وقت میں جب کہ ان کا ملک جنگ و جدل پر تلا ہوا تھا یہ تلقین فرما کر کہ لڑائی میں پیش قدمی دفاع کے لیے بہترین قدم ہے جلتی آگ پر اور تیل چھڑکا اور جنگ کے شعلے اتنے بھڑک اٹھے کہ الامان والحفیظ۔

لیکن پھر تین روز کے اندر اندر ڈاکٹر رادھا کرشنن کے فلسفے نے زور پکڑا اور انھوں نے آنجہانی مہاتما گاندھی کی سولھویں برسی کے سلسلے میں ۳۱ اگست کو تقریر کرتے ہوئے یہ کہا کہ: "ہم اگر قومی وقار کے تقاضے سے بھی تشدد سے کام لیں تو ہمارا یہ فعل بھی سراسر غلط ہوگا۔ اگر ہم

گاندھی جی کے سچائی اور اہنسا کے اصولوں پر خلوص دل سے عمل کرنے لگیں تو دنیا کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہو جائے۔ محض وطن پرستی ہی معراج زندگی نہیں بلکہ تہذیب انسانی کو ایسی تنگ دلی زیب ہی نہیں دیتی۔" یہ بھی یاد دلایا کہ گذشتہ جنگ عالمگیر میں مہاتما گاندھی نے تشدد اور جنگ کی زبردست مذمت کی تھی۔

اس عرصے میں ہندی افواج نے کشمیر تو ایک طرف ۲۴ اگست کو پاک و ہند کے درمیان بین الاقوامی حد کو توڑ کر گجرات کے قریب موضع اعوان شریف پر گولہ باری کی جس کا جواب پاکستان نے یکم ستمبر کو چھمب کے علاقہ میں دیا۔ کوئی ڈاکٹر رادھا کرشنن سے پوچھے کہ پہل اعوان شریف پر حملہ کرنے والے ملک ہندوستان نے کی یا پاکستان نے جس نے اس کا جواب ایک ہفتہ کے بعد دیا۔ کشمیر کے فسادات میں آزاد کشمیر کے لوگوں کا یہ بنیادی حق تھا کہ جب ہندوستان بین الاقوامی معاہدے کے خلاف کشمیر کو اپنی ریاست میں مدغم کرنے کے لیے آخری قدم اٹھائے یعنی اپنے دستور میں اسے ہندوستان کا حصہ بنا دے تو وہ اس کے خلاف آمادۂ جنگ ہو جائیں اور جس طرح ہندوستان کو یہ حق ہے کہ وہ گورکھوں کو اپنی جنگ میں جھونکے اس طرح ان کشمیریوں کو بھی حق تھا کہ وہ مجاہدوں کی مدد حاصل کریں۔ یہ تنازعہ ہند و کشمیر کا تھا جس سے پاکستان کو کوئی سروکار نہ تھا۔ گو اس کی ہمدردیاں مکمل طور پر کشمیریوں کے ساتھ تھیں۔ ہندوستان کا اعوان شریف پر حملہ ہند و پاکستان کا معاملہ تھا، اور اس میں صاف طور پر ہندوستان نے اقدام کیا۔ اس سے جو لڑائی چھڑی اس کا ذمہ دار ہندوستان ہی تھا۔ اس وقت یعنی جنگ بندی کے بعد کی چھیڑ چھاڑ بھی ہندوستان ہی جاری رکھ رہا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اقوام متحدہ کی قرارداد کے دوسرے حصے کے متعلق جسے وہ ایک دفعہ مان چکا ہے اور جس سے اس کے لیڈر ہر روز انکار کر رہے ہیں، اقوام متحدہ کوئی اقدام کرے کیونکہ اس اقدام کے لیے اول شرط یہ رکھی گئی ہے کہ جنگ بندی مکمل ہو جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ نہ یہ شرط پوری ہو اور نہ کشمیر کے معاملہ کے متعلق اقوام متحدہ کچھ فیصلہ کر سکے۔

پھر ۶ ستمبر کو تمام بین الاقوامی قوانین کے خلاف اعلانِ جنگ کیے بغیر ہندی افواج نے لاہور پر چڑھائی کر دی اور لاہور کو چاروں طرف سے گھیرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ان واقعات کو سرے سے نظر انداز کر کے ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اپنی ۱۳ ستمبر کی تقریر میں یہ کہا کہ بھارت سخت مشکل سے دوچار ہے اور یہ بحران پاکستان کا پیدا کردہ ہے۔ اگر وہ سچائی کے علمبردار ہوتے تو اس کے برعکس کہنے پر مجبور ہو جاتے۔ انھیں یہ کہنا پڑتا کہ پاکستان اس وقت سخت مشکل میں ہے اور یہ بحران ہندوستان نے پیدا کیا ہے۔ کون ان سے پوچھے کہ بین الاقوامی وعدوں کا پورا کرنا ان کی اخلاقی اقدار میں شامل ہے یا نہیں۔ اگر شامل ہے تو پھر اقوام متحدہ کی قراردادوں اور جواہر لال کے ۱۹۵۶ء تک کے کیے ہوئے وعدوں کے خلاف ہندوستان کشمیر میں آزادانہ رائے شماری کی مخالفت کیوں کرتا رہا۔ اور اگر کشمیریوں نے تنگ آ کر اس کے خلاف علم بغاوت کھڑا کیا تو یہ قصور ہندوستان کا تھا یا پاکستان کا۔ بارہا کہا جا رہا ہے کہ کشمیر نے تین دفعہ رائے شماری میں ہندوستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ دیا ہے مگر اقوام متحدہ کی قرارداد میں صرف رائے شماری کا تقاضا نہیں بلکہ اس کا ایک لازمی حصہ یہ تھا کہ یہ رائے شماری آزادانہ ہو۔ کیا ڈاکٹر رادھا کرشنن یہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان نے بندوقوں اور سنگینوں کے سائے میں جو رائے شماری تین دفعہ کرائی وہ آزادانہ تھی۔ اگر ہندوستان کو انسانی اقدار کا پاس ہوتا، بین الاقوامی فیصلے پر عمل کرنا مقصود ہوتا، آزادانہ رائے شماری کی خواہش ہوتی تو اقوام متحدہ سے درخواست کرتے کہ وہ چند روز کے لیے کشمیر کی حکومت سنبھال کر آزادانہ رائے شماری کرا لے۔ پھر یہ بھی ڈاکٹر رادھا کرشنن دانستہ یا نادانستہ بھول جاتے ہیں کہ ان رائے شماریوں کے بعد بھی تو پنڈت نہرو نے بارہا کہا تھا کہ کشمیر میں آزادانہ رائے شماری کرائی جائے گی اور اس کی حکومت کا فیصلہ اس کے عوام کی مرضی کے مطابق ہوگا۔

اگرچہ ڈاکٹر رادھا کرشنن کے اس وقت کے بیانات پڑھے لکھے اور ایماندار انسان کے لیے تعجب اور سراسیمگی کا باعث بنے لیکن ان کا ۲۶ ستمبر کا ریڈیو پر بیان تو ایک فلسفی نہیں بلکہ ایک

چالاک اور حیلہ ساز سیاسی انسان کی زبان سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کشمیر کا الحاق ہر لحاظ سے مکمل ہے اور رائے شماری نہ تو قابل عمل ہے اور نہ ضروری ہے۔ قابل عمل اس لیے نہیں کہ سترہ برس میں حالات بدل گئے ہیں۔" واقعات سے آنکھیں بند کر کے بیان دینا ایک فلسفی کا کام نہیں ہوتا۔ جواہر لال کے آخری وعدے کو تو ابھی دس سال بھی نہیں گزرے۔ انھیں سترہ سال کس حساب سے کہا جاتا ہے، اور پھر حالات میں کیا تبدیلی آگئی ہے، جس کی وجہ سے آزادانہ رائے شماری ناممکن ہو گئی ہے۔ میکیاولی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے تو کچھ شکایت نہ ہوتی اور اگر دوسرے ہندوستانی سیاستدانوں کی زبان سے یہ ہر روز نکل رہے ہیں تو بھی کچھ گلہ نہیں کیونکہ یہ سب معہ شری شاستری گھٹیا قسم کے انسان ہیں اور ان کا کہنا درخورِ اعتنا نہیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکٹر رادھا کرشنن جیسے فلسفی کی زبان سے یہ کیسے نکلے۔ انسانی اقدار کی بنیاد پر آزادانہ رائے دہندگی ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور بنیادی انسانی حقوق عارضی یا ہنگامی حالات کے تابع نہیں ہوتے یہ ہمہ گیر اور دائمی ہوتے ہیں۔ رائے دہندگی ہزار دفعہ بھی ہو جائے تو کوئی معنی نہیں رکھتی۔ انسانی حقوق میں اس کا آزادانہ ہونا لازمی ہے، اور اس کے آزادانہ ہونے پر ہندوستان کے لیڈروں کو اعتراض ہے اور اس پر ہمیں اور ہر انصاف پسند اور حق شناس انسان کو اصرار ہے۔ آزادانہ رائے شماری اس لیے ضروری ہے کہ اخلاقی نقطۂ نظر سے ہر قوم کے لیے ایفائے وعدہ ضروری ہے۔

۳۰ ستمبر کو یہ حق پرست فلسفی، یہ امن اور آشتی کا نام لیوا فلسفی ونوبھاوے کے ہمراہ نہیں بلکہ اپنے سامان جنگ مہیا کرنے والے مشیر کے ساتھ چیکوسلاواکیہ اور چند دیگر ممالک کو تشریف لے گیا ہے اور وہاں فلسفہ کے پاکیزہ لباس میں سیاسی ریشہ دوانیوں اور دروغ بافیوں کے علاوہ سامان حرب خریدنے میں مصروف رہا ہے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن کے ان متضاد بیانات اور افعال میں ان تین وجوہات میں سے ایک ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ ان کے فلسفہ اور ان کے عہدے کے تقاضوں کے تصادم سے ان کی

شخصیت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ اور اب وہ ایک نفسیاتی مریض ہیں جن کی حالت قابل رحم ہے اور جن کی صحت کے متعلق ماہرین نفسیات کو توجہ کرنی چاہیے۔

دوسرا امکان یہ ہے کہ ۱۵ اگست کے بیانات تو ان کے اپنے ہیں اور باقی بیانات ریاست کے طاقت ور حکام نے ان کے منہ سے کہلوائے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو ان پر کمزوری کا سخت الزام آتا ہے۔ یہ کمزوری ان کے شایان شان نہ تھی۔ بہتر ہوتا کہ مرن برت رکھ لیتے یا اپنے عہدۂ صدارت سے استعفٰے دے دیتے لیکن غلط بیانیوں اور غلط استدلال کو اپنی زبان سے ہرگز نہ نکلنے دیتے۔ مہاتما گاندھی کے بعد لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف تھیں۔ لیکن ایسا شخص جو دوسروں کے کہنے پر اپنے اعتقادات کے خلاف قول و فعل پر مجبور ہو جائے وہ مہاتما کا جانشین کیسے ہو سکتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ خود ڈاکٹر رادھا کرشنن دیدہ و دانستہ غلط بیانیوں اور غلط استدلال پر اتر آئے ہوں اور دوسروں کے دباؤ سے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے انھوں نے اپنے آپ کو حیلہ بازوں کے زمرے میں ڈال دیا ہو اور اپنے فلسفیانہ لبادے کو ایک دھوکے کی ٹٹی بنا لیا ہو۔

اصل وجہ ان میں سے کوئی بھی ہو۔ ان کی شخصیت کا انتشار ہو، دوسروں کا دباؤ ہو یا ان کا تضاد جان بوجھ کر ان کی اپنی مرضی سے۔ تینوں حالتوں میں یہ ایک نہایت افسوس ناک امر ہے ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ہر حالت میں اپنی اس صورت کو جس میں دنیا انھیں دیکھتی رہی ہے بُری طرح مسخ کر دیا ہے اور اپنی شہرت کو بہت بڑا دھکا لگایا ہے۔ کاش وہ اپنے آپ کو سیاست سے پاک رکھتے اور اگر اس میں پڑ بھی گئے تھے تو خود کو مہاتما گاندھی کی طرح اس کی آلودگیوں سے محفوظ رکھتے۔